© rasailojaraid.com

اقبالؔ، دانائے راز

سید علی رضا نقوی

اقبالؔ نے زندگی کے اسرار و رموز کو سمجھنے میں بڑی کد و کاوش کی تھی۔ وہ تمام عمر انسانی حیات کے مسائل کو سمجھنے اور ان کے مناسب حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کی زندگی کی راتیں اسی کش مکش میں گزرتی تھیں۔ کبھی انھوں نے عشق کو اپنا رہبر بنا کر سوز و سازِ رومی کے ذریعہ ان مسائل کو حل کیا، تو کبھی عقل کا دامن تھام کر پیچ و تابِ رازی سے زمانہ کی گتھیوں کو سلجھانے کی سعی کی۔ زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں انھوں نے جو کچھ سوچا، جو کچھ سمجھا اور اس سلسلہ میں جن نتائج پر پہنچے، ان کو اپنی شاعری اور دوسری تخلیقات کے ذریعہ قوم تک پہنچایا۔ آخری عمر تک انھوں نے اس "ابلاغ" کے مشن کو جاری رکھا کیوں وہ شاعری کا مقصد صرف شاعری یا بالفاظ دیگر بُت گری یا ساحری نہیں سمجھتے تھے بلکہ شاعری ان کے نزدیک قوم تک اپنا پیغام پہنچانے کا بہترین اور مؤثر ترین ذریعہ تھا۔ ان کا بھی خیال تھا کہ:-

شاعری جزویست از پیغمبری

آخری عمر میں ان پر یہ امر پوری طرح ظاہر ہو گیا تھا کہ اللہ نے ان پر زندگی کے بہت سے اسرار و رموز افشا کر دیئے ہیں۔ یہ اسرار انھوں نے وقتاً فوقتاً اپنی قوم کو اپنی شاعری اور خطبات وغیرہ کے ذریعے تعلیم کئے۔ زندگی کے آخری مرحلہ میں پہنچ کر انھیں خیال ہوا کہ معلوم نہیں مسلمانوں میں ان کے بعد کوئی دوسرا "دانائے راز" پیدا ہو گا یا نہیں۔ چنانچہ اس حالت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ این فقیرے دگر دانائے راز آید کہ ناید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبالؔ کو اس بات کا پوری طرح احساس ہو گیا تھا کہ آدمی کے لیئے دانائے راز ہونا کافی نہیں بلکہ حکیمانہ اسرار کو قوم تک پہنچانے کے لیئے ضروری ہے کہ اس کی زبان میں کلیمانہ تاثیر بھی ہو۔ چنانچہ آخری وقت میں خدا سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اگر وہ اس قوم کے لئے کوئی دوسرا دانائے راز بھیجے تو اس کو صرف اسرارِ حکمت سے آشنا ہی نہ کرے بلکہ اس کی آواز میں دل گدازی عطا فرمائے تاکہ اس کا پیغام قوم کے دل کی گہرائیوں میں اُتر سکے کیوں کہ قوموں کے ضمیروں کی تطہیر کا کام یا کوئی کلیمؑ نوائے راز کر سکتا ہے یا حکیم نے نواز۔:

اگر می آید آن دانائے رازے — بدہ او را نوائے دل گدازے
ضمیرِ امتان را می کند پاک — کلیمے یا حکیمے نے نوازے

اقبالؔ کو یہ سارے گہر ہائے اسرارِ حیات خزانۂ تعلیماتِ محمدیؐ سے حاصل ہوتے تھے۔ یہ سارا سوز و ساز دمِ مبارک رسولِ مقبولؐ ہی کا فیض تھا۔ وہ درویشی میں بھی خود کو سلاطینِ عالم سے زیادہ دولت مند سمجھتے تھے۔ یہ دولت ان کو محرمیٔ مقامِ رسالت کے ذریعہ نصیب ہوئی تھی، چنانچہ وہ اس کا حسین اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔:

مرا این سوز از فیضِ دمِ تست — بتاکم موج مے از زمزمِ تست
خجل ملکِ جم از درویشیٔ من — کہ دل در سینۂ من محرمِ تست

ان کے نزدیک معرفتِ رسولؐ معرفتِ حق کی پہلی منزل ہے جو اس منزل سے کامیاب و کامران گذر گیا، وہ عرفانِ الٰہی کی منزل تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔ نورِ "لا الہ الا اللہ" نورِ محمد رسول اللہؐ ہی کے وسیلہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جیساکہ حدیث پاک میں ہے۔:

مَنْ رَآنِی فَقَدْ رَاَ اللّٰہ (جس نے مجھے دیکھا، تو گویا اس نے خدا کو دیکھ لیا)۔

چنانچہ اقبالؔ فرماتے ہیں۔:

بچشمِ من نگہ آوردۂ تست — فروغِ لا الہ آوردۂ تست
دو چارم کن بہ صبحِ من رآنی — شبم را تاب مہ آوردۂ تست

"بانگِ درا" ہو یا "بالِ جبریل" کی آواز، "جاوید نامہ" کے مواعظ ہوں یا "ضربِ کلیم" کا اعجاز، "اسرار و رموز" ہوں یا "زبورِ عجم" کا ساز، "پس چہ باید کرد" ہو یا "ارمغانِ حجاز" ہر جگہ اقبالؔ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے قوم کو زندگی کے مسائل اور ان کے حل بتانے کی کوشش کی ہے۔ وہ قوم کے ایک ہاتھ میں خودی کی تلوار اور دوسرے ہاتھ میں بیخودی کی سپر دے کر اسے عرصۂ جہادِ زندگانی میں کود جانے کی دعوت دیتے ہیں۔ خودی کی تعلیم دیتے وقت وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی سربستہ فطری قوتوں سے کام لینا سیکھیں اور دوسروں پر بھروسا کرنا چھوڑیں۔ خودشناسی، خودنگری اور خود اعتمادی اقبالؔ کے پیغامِ خودی کا خلاصہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

کرمکِ ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو
اپنی ہستی کے تجلی زار میں آباد ہو

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

ہمتِ عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تلک

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی

اقبالؔ نے تمام عمر اپنی قوم کی خودی بیدار کرنے کی کوشش کی اور اس کو مستقل یہ سمجھایا کہ خودی کی پرورش کرنا اور اس کو ترقی دینا ہمارا اولین فرض ہے۔ جس نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بیدار کیا اور ان سے ارتقائے انسانی کی منازل طے کرنے میں کام لیا اس نے حقیقتِ زندگی کو پالیا اور وہ اس زمین پر خلیفۂ حق کہلانے کا مستحق قرار پایا۔ واقعی معرفتِ خودی گویا اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنا، ان کو جلا دینا اور ان کی کما حقہ نشو و نما کرنا ہے۔ اقبالؔ کے نزدیک خودی فطرتِ انسانی کی منتشر قوتوں کی شیرازہ بند ہے۔ ان کے یہاں مقصدِ حیات، خودی کا اظہار اور اس کی نشو و نما ہے۔

یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

یہ اس خودی ہی کا کرشمہ ہے کہ قطرہ گوہر کی شکل اختیار کر لیتا ہے:

قطرہ چون حرفِ خودی از بر کند
ہستیٔ بے مایہ را گوھر کند

خودی کو پوری طرح بیدار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مقاصد کا ایک لامتناہی سلسلہ تخلیق کیا جائے تاکہ انسان تحصیلِ آرزو کی پیہم جد و جہد میں معروف ہو سکے۔ یہی زندگی کے بقا کا ذریعہ ہے اور یہی عالمِ رنگ و بو کی جان ہے:۔

زندگانی را بقا از مدعاست
کاروانش را درا از مدعاست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی در جستجو پوشیدہ است اصلِ او در آرزو پوشیدہ است
ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

یہ مسلسل جد وجہد، یہ تگ وتازِ زندگی ہی نشانۂ حیات ہے۔ انسان کی زندگی کا ثبوت اس کی حرکت اور جنبش ہے ورنہ اس میں اور مردہ انسان میں کیا فرق ہے۔ اس بات کو اقبال بڑی خوب صورتی سے موجِ دریا کی زبانی کہلواتے ہیں :-

" ہستم اگر میروم، گر نروم نیستم "

رموزِ بیخودی قوم کو سمجھاتے وقت وہ اتحادِ ملت کی ضرورت پر زور دیتے ہیں چونکہ ان کے خیال میں فرد کا وجود ملت ہی سے قائم ہے۔ جس طرح موج جب تک دریا میں ہے وہ باقی رہتی ہے لیکن دریا کے باہر وہ اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں
فرد می گیرد ز ملت احترام ملت از افراد می یابد نظام
فرد را ربطِ جماعت رحمت است جوہرِ او را کمال از ملت است

اقبال نے جہاں اپنی قوم کو عشق کے رموز سمجھائے عجمی تصوف کی منفی باتیں بیان کی، توحید و رسالت کا رشتہ بتایا، وہاں اسلامی حرّیت اور اسلامی مساوات کا بھی سبق دیا۔ ان کے نزدیک حرّیت ایمان کی جان ہے۔ ایک سچے مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکتا، کسی فرعون کے سامنے اس کی گردن خم نہیں ہوتی۔

ماسوی اللہ را مسلمان بندہ نیست پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

اسی طرح اسلامی مساوات کے اصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دینِ اسلام میں بندۂ آزاد کی تمیز نہیں کیونکہ آقا کا خون غلام سے زیادہ سرخ نہیں ہوتا۔ قرآن کے نزدیک غلام ہو یا آقا، مسند نشیں ہو یا بوریا نشیں، دیبا وحریر میں ملبوس ہو یا خرقہ پوش، سب خدا کے بندے ہیں اور اس کی نظر میں سب برابر ہیں۔

پیشِ قرآن بندہ و مولا یکیست بوریا و مسند و دیبا یکیست
عبدِ مسلم کمتر از احرار نیست خونِ شہ رنگیں تر از معمار نیست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبالؔ نے اپنے زمانے کی مختلف مذہبی اور سیاسی تحریکوں اور فلسفیانہ افکار و عقائد کے بارے میں بڑی صراحت سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ جہاں برگساں، نٹشے، شوپنہادر، آئن سٹائن اور ہیگل کے بارے میں اپنے خیالات پیش کئے ہیں وہاں لینن اور کارل مارکس کے افکار پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ اسی طرح جہاں سلطنت، جمہوریت اور سرمایہ داری پر اپنی رائے دی ہے وہاں اشتراکیت کے بارے میں جو جدید زمانے کی زبردست سیاسی، اقتصادی اور فلسفیانہ تحریک ہے جگہ جگہ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لینن کو خدا کے حضور میں پیش کرکے گویا اس کے انکارِ خدا پر اظہارِ معذرت کراتے ہیں اور کارل مارکس کا ابلیس کے مشیروں کی زبانی ان الفاظ میں تعارف کراتے ہیں:۔

وہ کلیم بے تجلّی وہ مسیحِ بے صلیب
نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب

وہ یہودی فتنہ گر وہ روحِ مزدک کا بُروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار

میرے آقا وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں میں ہے فقط تیری سیادت پر مدار

آگے چل کر لادینی اشتراکیت کے کھوکھلے پن کی طرف اشارہ کرکے ابلیس کی زبان سے یہ کہلواتے ہیں کہ اگر ابلیسی نظام کو کسی نظام سے خطرہ ہے تو وہ اسلام ہے نہ کہ اشتراکیت:۔

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشان روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمّت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے

اسی طرح انقلابِ روس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

روس را قلب و جگر گردیدہ خون
از ضمیرش حرفِ "لا" آمد بروں

آں نظامِ کہنہ را برہم زدہ است
تیز نیشے بر رگِ عالم زدہ است

کردہ ام اندر مقاماتش نگہ
لا سلاطین، لا کلیسا، لا الٰہ

فکرِ او در تندبادِ "لا" بماند
مرکبِ خود را سوئے "الا" نراند

اقبالؔ کو یقین ہے کہ ایک دن روس بھی اس حقیقت کا احساس کرے گا اور "الا اللہ" کی طرف قدم اُٹھائے گا:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیدش روزی کہ از زورِ جنون   خویش را زین تند باد آرد بروں

اس کی توجیہ وہ اس طرح کرتے ہیں کہ صرف "لا" سے حیات کی تشکیل نہیں ہوتی۔ نظامِ کہنہ کی تخریب کے لئے "لا" یعنی "نفی" ضروری ہے، لیکن ایک نئے عالم کی تعمیر صرف "اِلّا" یعنی مثبت اقدام ہی سے ہو سکتی ہے۔:

در مقامِ "لا" نیا ساید حیات   سوی "اِلّا" می خرامد کائنات

"لا" و "اِلّا" سازو برگِ اُمتان   نفیِ بے اثبات مرگِ اُمتان

اقوامِ مشرق کو پیغام دیتے ہوئے اقبالؔ اس اُمید کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آفتابِ مشرق دوبارہ طلوع ہوگا اور اس کی شبِ آلام ختم ہو جائے گی۔ یہ نئی صبح دنیا کے لئے امن و راحت کا پیغام لائے گی اور یورپ کے ظلم و ستم سے دنیا کو نجات بخشے گی۔:

پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق   باز روشن می شود ایامِ شرق

در ضمیرش انقلاب آمد پدید   شب گذشت و آفتاب آمد پدید

آہ از افرنگ و از آئینِ او   آہ از اندیشۂ لا دینِ او

روحِ شرق اندر تنش باید دمید   تا بگردد قفلِ معنی را کلید

© rasailojaraid.com